بتدریج دریافت ہونے والی چیز تھوڑی ہے کہ تجربات و مشاہدات کی ترقی کے ساتھ ساتھ علم میں اضافہ ہو۔ وہ تو امر واقعی کا کشفی علم ہے جس کی حیثیت بالکل ایسی ہے جیسے آنکھوں سے ہم کسی چیز کو دیکھ لیں۔ اس قسم کا علم جس زمانے میں جس کو حاصل ہو وہ بعینہٖ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کسی بعد کے زمانہ میں کسی دوسرے کو حاصل ہو۔ اسی لیے نسخ شرائع کی بھی وہ توجیہ صحیح نہیں ہے جو مصنف نے کی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے علوم اور ان کی معلومات میں کوئی تفاوت قرآن سے معلوم نہیں ہوتا۔ تمام انبیاء پر ایک ہی علم حق کا فیضان ہوا تھا اور امر حق کے علم میں ان کے درمیان اس حیثیت سے کوئی فرق نہ تھا کہ کسی کا علم کسی کے مقابلہ میں ناقص ہو۔ فرق اگر رہا ہے تو وہ ان احکام میں تھا جو مختلف زمانوں اور مختلف قوموں کے حالات اور ان کی مخصوص ضروریات کے لحاظ سے دیئے گئے تھے۔ اور ان کے بھی اصول میں فرق نہ تھا بلکہ صرف تفصیلی اشکال میں تھا۔

شیطان اور جن کی حقیقت کے متعلق بھی فاضل موصوف نے جو کچھ لکھا ہے وہ نظر ثانی کا محتاج ہے۔ ان کے بیان سے ایسا متبادر ہوتا ہے کہ شیاطین اور ملائکہ میں محض نوع کا فرق ہے، جنس ایک ہے، حالانکہ قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بالکل مختلف جنس کی ہستیاں ہیں۔ ملائکہ قطعی غیر مختار ہیں۔ بخلاف اس کے جن تقریباً انسان کی طرح ذی اختیار ہیں، اُن میں سے جو اللہ کی نافرمانی اختیار کریں ان کا نام شیاطین ہے، اور جو فرمانبرداری اختیار کریں وہ مومن جن ہیں۔

اس قسم کی چند لغزشوں کے باوجود کتاب فی الجملہ بہت مفید ہے اور جو لوگ اسلام کے عقائد کو سمجھنا چاہتے ہیں وہ اس سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

دین و آئین | تالیف مولانا سید محمود علی صاحب۔ ضخامت ۲۵۲ صفحات۔ قیمت مجلد ۱۲؎۔ غیر مجلد ۱۰؎ کتب خانہ انصاریہ، جالندھر۔

اس کتاب میں فاضل مصنف نے اسلام کے ان قوانین کی تشریح کی ہے جن پر آج کل عموماً غیر مسلموں کی طرف سے اعتراضات کیے جاتے ہیں، اور جن میں ترمیم و تغیر کرنے کے لیے دین سے ناواقف اور دنیا کے

فریفتہ مسلمان بے چین نظر آتے ہیں۔ ابتدا میں انہوں نے نہایت لطیف پیرایہ میں ان لوگوں کے خیال کی تردید کی ہے جو چاہتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں دنیا جن جن راہوں پر چل رہی ہے اسلام بھی اسکے پیچھے پیچھے انہی راہوں پر چلتا رہے اور تمام ان غلط کاریوں کے لیے جواز کا فتویٰ دیتا چلا جائے جو نفس کے مبتدے اور خواہشات کے غلام اختیار کرتے جائیں۔ اسکے بعد انہوں نے نماز، روزہ اور مناسک حج کے متعلق مخالفین کے اعتراضات اور مذبذبین کے بہانوں کا جواب دیتے ہوئے ان عبادات کی روح اور ان کے مصالح و فوائد بیان کیے ہیں۔ پھر سود، تعدد ازدواج، طلاق و خلع، پردہ، قانون دیوانی، قانون وراثت، قانون فوجداری اور قتل مرتد وغیرہ مسائل پر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اور اسلامی احکام کی حمایت کا حق ادا کر دیا ہے۔

کتاب میں بعض مقامات ایسے نظر آئے جہاں ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ فاضل مصنف ان پر نظر ثانی فرمائیں۔ مثلاً اختلاف مراتب نبوت کے بیان میں انکا یہ فرمانا کہ وحی کے ذریعہ سے جو علوم انبیاء علیہم السلام پر القا ہوئے ان میں انبیاء کی ذاتی استعدادوں کے لحاظ سے تفاوت تھا، اور یہ کہ بعض پیغمبروں پر الفاظ کے بغیر صرف خیال نازل ہوا ہے اور الفاظ انہوں نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق خود وضع کیے، اور یہ کہ "بعض پیغمبروں پر الفاظ بھی القا ہوئے مگر انکی استعداد ایسی قوی نہ تھی کہ صاف اور صریح کو اخذ کر سکتے"، اور یہ کہ خالق کے لیے باپ کا استعارہ اور رسولوں کے لیے اوتار کا لفظ اسی کمی استعداد کے سبب سے بعض انبیاء نے استعمال کیا، یہ سب باتیں نہایت مخدوش ہیں۔ نہ ان کے لیے قرآن میں کوئی بنیاد ملتی ہے اور نہ قیاس عقلی ہی کے لحاظ سے انکو درست کہا جا سکتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی کی گئی وہ اس وحی سے مختلف نہ تھی جو نوح علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے نبیوں پر کی گئی تھی۔ رہا قیاس عقلی تو اسکی رو سے ہمارے لیے دو باتوں میں سے کسی ایک کو ماننے بغیر چارہ نہیں، یا تو ہم انسان کو خود اپنی ہدایت کا ذمہ دار سمجھیں اور اس صورت میں نبوت بالکل غیر ضروری ہے، یا ہم اس بات کے قائل ہوں کہ راہِ راست بتانا اللہ کا کام ہے اور اس صورت میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے راہ راست بتانے

کا جو کام اپنے ذمہ لیا ہے اسکو انجام دینے میں اسکی طرف سے کوئی کوتاہی ہو۔ ناقص استعدادوں کے انتخاب کو پیغام رسانی کے لیے منتخب کرنا، یا پیغام کی تعبیر کو پیغام رسانوں کے اوپر چھوڑ دینا کہ اپنے ذہن سے جس طرح چاہیں مختلف طور پر اسکو تعبیر کریں، یا کسی کے پاس اپنا پیغام غیر واضح صورت میں اور کسی کے پاس واضح صورت میں بھیجنا، ان میں سے جس بات کے بھی آپ قائل ہوں، اس سے اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت و ہدایت پر حرف آتا ہے، اور ان تمام گمراہیوں کی ذمہ داری اللہ کی طرف عائد ہوتی ہے (معاذ اللہ) جو ناقص ہدایت پانے کی وجہ سے انسانوں میں پیدا ہوئی ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ نے پیغمبر بھیجے ہی اس لیے ہیں کہ قیامت میں باز پرس کے موقع پر کوئی یہ حجت پیش نہ کرے کہ آپ نے خود ہی ہم کو راستہ نہ بتایا پھر غلط روی کے ذمہ دار ہم کیسے ہو سکتے ہیں (لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ)۔ لیکن اگر امر واقعہ وہی ہو جو فاضل مصنف نے تجویز کیا ہے تو اسکے معنی یہ ہونگے کہ اللہ نے لوگوں کے لیے حجت پیش کرنے کی اچھی خاصی گنجائش چھوڑ دی ہے۔

سود کے مسئلہ میں فاضل موصوف نے مسلمانوں کی موجودہ مجبوریوں کو پیش نظر رکھ کر انتہائی متقیانہ احتیاط کے ساتھ ایسے قومی بینک کھولنے کے جواز کی صورت نکالی ہے جن میں محض تاجرانہ اغراض کے لیے سودی لین دین کیا جائے۔ اس تمام بحث کو ہم نے پورے غور کے ساتھ پڑھا۔ کوئی شک نہیں کہ آج کل جو لوگ نہایت بے باکی کے ساتھ سود کی تحلیل کے لیے احکام شرعیہ میں قطع و برید کر رہے ہیں، ان کے مقابلہ میں مولانا محمود علی صاحب کی روش ایک خدا ترس اور ذمہ دار آدمی کی سی روش ہے اور اس سے بھی انکار نہیں کہ مجبوری و اضطرار کی حالت میں احکام شرعیہ کے اندر وہ تخفیف ہو سکتی ہے جو مولانا نے تجویز فرمائی ہے، مگر بہتر ہوتا کہ اس تجویز کو پیش کرنے کے ساتھ مولانا یہ بھی فرما دیتے کہ مسلمانوں کا کام یہ نہیں ہے کہ اضطرار کی حالت کو برقرار رکھ کر حرام کھاتے اور کھلاتے رہیں بلکہ ان کا کام یہ ہے کہ دنیا کے اس بگڑے ہوئے نظام کو بدلنے کے لیے جان توڑ جدوجہد کریں جسکی بدولت حرام و حلال کی تمیز مٹ گئی ہے اور جس کے تسلط نے اتنی گنجائش نہیں چھوڑی ہے کہ خدا پرست لوگ خدا کی قائم کردہ حدود کی پابندی کر سکیں۔